مذموم دنیا اور ممدوح دنیا

تحریر: آیۃ اللہ محمد مہدی آصفی طاب ثراہ ترجمہ: منظر صادق زیدی

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات یہی دنیا بہت بری نظر آتی ہے لیکن کچھ دیگر لحاظ سے یہی دنیا بہت ہی حسین اور پسندیدہ قرار پاتی ہے آخر اس میں کون سا راز پوشیدہ ہے اور وہ کون سی دنیا ہے جو پسندیدہ ہے اور کون سی دنیا ہے جو روایات معصومین علیہم السلام کی نظر میں ناپسند ہے اس کی مختصر سی تحقیق آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(۱) مذموم دنیا

دنیا کے دو چہرے ہیں: (۱) ظاہری (۲) باطنی

دنیا کا ظاہری چہرہ فریب کا سرچشمہ ہے۔ یہ چہرہ انسانی نفس میں حب دنیا کا جذبہ پیدا کرتا ہے جبکہ باطنی چہرہ ذریعۂ عبرت ہے یہ انسان کے نفس میں زہد کا باعث ہوتا ہے روایات کے مطابق دنیا کا ظاہری چہرہ مذموم ہے اور باطنی چہرہ ممدوح ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ واقعاً دنیا کے دو چہرے ہیں یہ فرق درحقیقت دنیا کو دیکھنے کے انداز سے پیدا ہوتا ہے ورنہ دنیا اور اسکی حقیقت ایک ہی ہے۔ فریب خوردہ نگاہ سے اگر دنیا کو دیکھا جائے تو یہ دنیا مذموم ہوجاتی ہے اور اگر دیدۂ عبرت سے دنیا پر نگاہ کی جائے تو یہی دنیا ممدوح قرار پاتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لذات وخواہشات سے لبریز دنیا کا ظاہری چہرہ ہی مذموم ہے۔

یہاں پر دنیا کے مذموم رخ کے بارے میں چند روایات پیش کی جارہی ہیں۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا: "الدنیا سوق الخسران" ''دنیا گھاٹے کا بازار ہے''

آپؑ ہی کا ارشاد ہے:"الدنیا مصرع العقول" ''دنیا عقلوں کا میدان جنگ ہے''

آپؑ ہی کا ارشاد ہے:"الدنیا ضحکة مستعبر" ''دنیا چشم گریاں رکھنے والے کے لئے ایک ہنسی ہے''

ایک جگہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:"الدنیا مطلقة لا کیاس" ''دنیا ذہین لوگوں کی طلاق شدہ بیوی ہے''

دنیا کے بارے میں آپ کے آپ کے بعض دوسرے اقوال یہ ہیں:"الدنیا معدن الشرور، و محل الغرور" ''دنیا شر و فساد کا معدن اور دھوکے کی جگہ ہے''"الدنیا لا تصفو لشارب، و لا تفی لصاحب" ''دنیا کسی پینے والے کے لئے صاف و شفاف اور کسی کے لئے باوفا ساتھی نہیں ہے''"الدنیا مزرعة الشر" ''دنیا شر و فساد کی کاشت کی جگہ ہے''"الدنیا مُنیة الاشقیاء" ''دنیا اشقیاء کی آرزو ہے''"الدنیا تُسلِمُ" ''دنیا دوسروں کے حوالے کر دیتی ہے''"الدنیا تُذِل" ''دنیا ذلیل کرنے والی ہے''۔

دنیا سے بچاؤ

امیر المومنین حضرت علیؑ ہمیں دنیا سے اس انداز سے ڈراتے ہیں:

"أحذرکم الدنیا فانها لیست بدار غبطة، قد تزیّنت بغرورها، و غرّت بزینتها لمن ان ینظر الیها" ''میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہ فخر و مباہات کا گھر نہیں ہے۔ یہ اپنے فریب سے مزین ہے اور جو شخص اسکی طرف دیکھتا ہے اسے اپنی زینت سے دھوکے میں مبتلا کر دیتی ہے''۔

ایک اور مقام پر آپ کا ارشاد گرامی ہے:"أحذرکم الدنیا فانها حلوة خضرة، حُفت بالشهوات" ''میں تمہیں اس دنیا سے بچنے کی تاکید کرتا ہوں کہ یہ دنیا سرسبز و شیریں اور شہوتوں سے گھری ہوئی ہے''۔ آپ ہی کا ارشاد ہے:"احذروا هذه الدنیا، الخدّاعة الغدّارة، التی قد تزیّنت بحلیّها، و فتنت بغرورها، فاصبحت کالعروسة المجلوة، و العیون الیها ناظرة"

''اس دھوکے باز مکار دنیا سے بچو یہ دنیا زیورات سے آراستہ اور فتنہ سامانیوں کی وجہ سے سجی سجائی دلہن کی مانند ہے کہ آنکھیں اسی کی طرف لگی رہتی ہیں''۔

ب: ممدوح دنیا

دنیا کا دوسرا رخ اور اس کے بارے میں جو دوسرا نظریہ ہے وہ قابل مدح و ستائش ہے البتہ یہ قابل

ستائش رخ اس دنیا کے باطن سے نکلتا ہے جو قابل زوال ہے جبکہ مذموم رخ ظاہری دنیا سے متعلق تھا۔

بہر حال یہ طے شدہ بات ہے کہ دنیا کے دو رخ ہیں ایک ممدوح دوسرا مذموم۔ ممدوح رخ کے اعتبار سے دنیا نقصان دہ نہیں ہے بلکہ نفع بخش ہے اور مضر ہونے کے بجائے مفید ہے اسی رخ سے دنیا آخرت تک پہونچانے والی، مومن کی سواری، دار صدق اور اولیاء کی تجارت گاہ ہے۔ لہذا دنیا کے اس رخ کی مذمت صحیح نہیں ہے روایات کے آئینہ میں دنیا کے اس رخ کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) دنیا آخرت تک پہونچانے والی

امام زین العابدینؑ نے فرمایا: "الدنیا دنیاء ان، دنیا بلاغ، و دنیا ملعونة"

''دنیا کی دو قسمیں ہیں، دنیائے بلاغ اور دنیائے ملعونۃ'' دنیائے بلاغ سے مراد یہ ہے کہ دنیا انسان کو آخرت تک پہونچاتی ہے اور خدا تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ بلاغ کے یہی معنی ہیں اور یہ دنیا کی پہلی قسم ہے۔ دوسری دنیا جو ملعون ہے وہ دنیا وہ ہے جو انسان کو اللہ سے دور کرتی ہے اس لئے کہ لعن بھگانے اور دور کرنے کو کہتے ہیں اب ہر انسان کی دنیا انہیں دو میں سے کوئی ایک ضرور ہے یا وہ دنیا جو خدا تک پہونچاتی ہے یا وہ دنیا جو خدا سے دور کرتی ہے۔

اسی سے ایک حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے کہ انسان دنیا میں کسی ایک مقام پر ٹھہرا نہیں رہتا ہے بلکہ یا تو وہ قرب خدا کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے یا پھر اس سے دور ہوتا جاتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: "لاتسالوا فیھا فوق الکفاف، ولا تطلبوا منھا اکثر من البلاغ" ''اس دنیا میں ضرورت سے زیادہ کا سوال مت کرو اور نہ ہی کفایت بھر سے زیادہ کا مطالبہ کرو''۔

اس طرح اس دنیا کا مقصد (بلاغ) ہے اور انسان دنیا میں جو بھی مال و متاع حاصل کرتا ہے وہ صرف اس مقصد تک پہونچنے کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے اس طرح انسان کی ذمہ داری ہے کہ دنیا میں صرف اتنا ہی طلب کرے جس سے اپنے مقصود تک پہونچ سکے لہذا اس مقدار سے زیادہ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وسیلے کو مقصد بنانا چاہئے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا وسیلہ ہے آخری مقصد نہیں ہے بلکہ آخری مقصد آخرت اور خدا تک رسائی ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: "الدنیا خلقت لغیرھا، ولم تخلق

لنفسھا" دنیا اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے غیر (آخرت تک رسائی) کیلئے خلق کی گئی ہے"۔

وسیلہ کو مقصد قرار دے دیا جائے یہ بھی غلط ہے اسی طرح واسطہ کو وسیلہ اور مقصد (دونوں) قرار دینا بھی غلط ہے اسی لئے امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے کہ دنیا کو صرف اس مقدار میں طلب کرو جس سے آخرت تک پہونچ سکو۔

لیکن خود حصول دنیا کے سلسلے میں آپؑ نے فرمایا کہ صرف بقدر ضرورت سوال کرو۔ امامؑ کے اس مختصر سے جملے میں حصول کے لئے سعی وکوشش کے سلسلہ میں اسلام کا مکمل نظریہ موجود ہے۔ چونکہ مال ومتاعِ دنیا آخرت تک پہونچنے کا ذریعہ ہے لہذا کسب معاش اور تحصیل رزق ضروری ہے لیکن اس تلاش وجستجو میں "بقدر ضرورت" کا خیال رکھنا ضروری ہے اور "بقدر" ضرورت سے مراد وہ مقدار ہے کہ جس کے ذریعہ دنیاوی زندگی پوری ہوتی رہیں اور آخرت تک رسائی ہو سکے انسانی ضرورت واقعی اور ضروری بھی ہوتی ہے اور غیر واقعی یا وہمی بھی۔ یعنی اسے زندہ رہنے اور آخرت تک رسائی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ حقیقی ضرورتیں ہیں۔ اور ان کے علاوہ کچھ غیر ضروری چیزیں بھی احتیاج وضرورت کی شکل میں انسان کے سامنے آتی ہیں جو درحقیقت حرص وطمع ہے اور ان کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے اگر انسان ایک مرتبہ ان کی گرفت میں آ گیا تو پھر ان کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ ان کی راہ میں جد وجہد کرتے ہوئے انسان ہلاک ہو جاتا ہے مگر اس جد وجہد سے اذیت وطمع میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

> اگر انسان دنیا کو آخرت کا وسیلہ قرار دیتا ہے تو یہ دنیا اس کے لئے ذخیرہ بن جاتی ہے نیز دنیا وآخرت میں اس کے کام آتی ہے لیکن اگر وسیلہ کے بجائے اسے مقصد بنا لے تو یہ اللہ سے غافل کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے: "یابن آدم: ان کنت ترید من الدنیا ما یکفیک فان ایسر ما فیھا یکفیک، وان کنت انما

تریدمال یکفیک فان کل مافیھا یکفیک "''اے فرزند آدم اگر تو دنیا سے بقدر ضرورت کا خواہاں ہے تو تھوڑا بہت، جو کچھ تیرے پاس ہے وہی کافی ہے اور اگر تو اتنی مقدار میں دنیا کا خواہاں ہے جو تیری ضرورت سے زیادہ ہے تو پھر دنیا میں جو کچھ ہے وہ بھی ناکافی ہے''

دنیا کے بارے میں یہ دقیق نظریہ متعدد اسلامی روایات اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے:" الا و ان الدنیا دار لا یسلم منھا الا فیھا، و لا ینجیٰ بشیٔ کان لھا، ابتلی الناس بھا فتنۃ، فما اخذوہ منھا لھا أخرجوا منہ و حو سبوا علیہ، و ما اخذوہ منھا لغیرھا قدموا علیہ و اقاموا فیہ"

''آگاہ ہو جاؤ کہ یہ دنیا ایسا گھر ہے جس سے سلامتی کا سامان اسی کے اندر سے کیا جا سکتا ہے اور کوئی ایسی شئ وسیلۂ نجات نہیں ہو سکتی جو دنیا ہی کے لئے ہو۔ لوگ اس دنیا کے ذریعہ آزمائے جاتے ہیں۔ جو لوگ دنیا کا سامان، دنیا ہی کے لئے حاصل کرتے ہیں وہ اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور پھر حساب بھی دینا ہوتا ہے اور جو لوگ یہاں سے وہاں کے لئے حاصل کرتے ہیں وہ وہاں جا کر پا لیتے ہیں اور اسی میں مقیم ہو جاتے ہیں یہ دنیا در حقیقت صاحبان عقل کی نظر میں ایک سایہ جیسی ہے جو دیکھتے دیکھتے سمٹ جاتا ہے اور پھیلتے پھیلتے کم ہو جاتا ہے''

ان کلمات میں اختصار کے باوجود بے شمار معانی و مطالب پائے جاتے ہیں (دار لا یسلم منھا الا فیھا) اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان سے فرار اور خدا تک رسائی کے لئے دنیا مومن کی سواری ہے اس کے بغیر اس کی بارگاہ میں رسائی ممکن نہیں ہے عجیب و غریب بات ہے کہ دنیا اور لوگوں سے کنارہ کشی کرنے والا قرب خدا کی منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا بلکہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اسی دنیا میں رہ کر اسی دنیا کے سہارے اپنی منزل مقصود حاصل کرے۔ لہذا ان کلمات سے پہلی حقیقت تو یہ آشکار ہوئی ہے کہ دنیا واسطہ اور وسیلہ ہے اس کو نظر انداز کر کے مقصد حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ دنیا مقصد نہ بننے پائے۔ اگر انسان دنیا کو وسیلہ کے بجائے ہدف اور مقصد بنا لے گا تو ہرگز نجات حاصل نہیں کر سکتا (و لا ینجی لشی کان لھا) اس طرح اگر انسان نے دنیا کو اس کی اصل حیثیت ''واسطہ و وسیلہ'' سے الگ کر دیا اور اسی کو ہدف بنا لیا تو پھر دنیا شیطان سے نجات

اور خدا تک پہنچانے کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہے یہ دوسری حقیقت ہے جو ان کلمات میں موجود ہے۔

اور پھر اگر انسان دنیا کو خدا، قرب خدا اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کے بجائے خود دنیا کی خاطر اپناتا ہے تو یہی دنیا اس کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ اس دنیا کا عجیب وغریب معاملہ ہے یعنی اگر انسان اسے وسیلہ اور خدا تک رسائی کا ذریعہ قرار دیتا ہے تو یہ دنیا اس کے لئے ذخیرہ بن جاتی ہے اور اس کے لئے باقی رہتی ہے نیز دنیا وآخرت میں اس کے لئے کام آتی ہے لیکن اگر وسیلہ کے بجائے اسے مقصد بنالے تو یہ اللہ سے غافل کرتی ہے۔ خدا سے دور کر دیتی ہے موت کے بعد انسان سے جدا ہو جاتی ہے اور بارگاہ الٰہی میں اس کا سخت ترین حساب لیا جاتا ہے۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ فرق کمیت اور مقدار کا نہیں ہے بلک کیفیت کا ہے اور عین ممکن ہے کہ انسان وسیع وعریض دنیا کا مالک ہو لیکن اس کا استعمال راہ خدا میں کرتا ہو اس کے ذریعہ قرب خدا کی منزلیں طے کرتا ہو ایسی صورت حال میں یہ دنیا اس کے لئے ''عمل صالح'' شمار ہوگی اس کے برخلاف ہوسکتا ہے کہ مختصر سی دنیا اور اسباب دنیا ہی انسان کے پاس ہوں لیکن اس کا مقصد خود ہی دنیا ہو تو یہ دنیا اس سے چھین لی جائے گی اسکا محاسبہ کیا جائے گا۔

اگر خود یہی دنیا انسان کے مدنظر ہو تو اس کی حیثیت ''عاجل'' ''نقد'' کی سی ہے جو کہ اسی دنیا تک محدود ہے اور اس کا سلسلہ آخرت سے متصل نہ ہوگا بلکہ زائل ہو کر جلد ختم ہو جائے گی لیکن اگر دنیا کو دوسرے (آخرت) کے لئے اختیار کیا جائے تو اسکی حیثیت ''آجل'' ''ادھار'' کی سی ہوگی کہ جب انسان حضور پروردگار میں پہونچے گا تو وہاں دنیا کو حاضر وموجود پائے گا۔ ایسی زائل دنیا زائل ہونے والی نہیں ہے بلکہ باقی رہے گی ''وما عند اللہ خیر وابقیٰ'' امیر المومنینؑ کے اس فقرہ ''ومام اخذوہ منھا لغیرھا قدموا علیہ واقاموا فیہ'' سے یہ چوتھا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

زیارت امام حسینؑ سے متعلق دعا میں نقل ہوا ہے: "ولا تشغلنی بالاکثار علیّ من الدنیا، تلھینی عجائب بھجتھا، وتفتننی زھرات زینتھا، ولا باقلال یضرّ بعملی، ویملاء صدری ھمّہ" ''کثرت دنیا سے میرے قلب کو مشغول نہ کر دینا کہ اس کے عجائبات مجھے تیری یاد سے غافل کر دیں یا اسکی زینتیں مجھے اپنے فریب میں لے لیں اور نہ ہی دنیا میں میرا حصہ اتنا کم قرار دینا کہ

میرے اعمال متاثر ہوجائیں اور میرا دل اسی کے ہم وغم میں مبتلا رہے''

دنیا اور اس سے انسان کے تعلق، بقاء وزوال، اسکے مفید ومضر ہونے کے بارے میں اس سے قبل جو کچھ بیان کیا گیا وہ کیفیت کے اعتبار سے تھا کمیت ومقدار سے اس کا تعلق نہیں تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کمیت ومقدار بھی اسی میں دخیل ہے کہ کثرت دنیا اور اس کی آسائشیں انسان کو اپنے میں مشغول کر کے یاد خدا سے غافل بنا دیتی ہیں بہت کم ایسا ہوتا کہ دنیا میں بڑا حصہ ہونے کے باوجود انسان دنیا میں گم نہ ہو یا یہ زیادتی اسے خدا سے دور نہ کردے اسکے لئے سخت جدوجہد درکار ہوتی ہے اور اسی طرح اگر دنیاوی حصہ کم ہو، دنیا روگردانی کر رہی ہو تو یہ بھی انسان کی آزمائش کا ایک اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کا ہم وغم اور اس کی فکریں دنیا کے بارے میں ہوتی ہیں اور وہ خدا کو بھول جاتا ہے اسی لئے اس دعا میں حد متوسط کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ نہ تو اتنی کثرت ہو جس سے انسان یاد خدا سے غافل ہوجائے اور نہ اتنی قلت ہو کہ انسان اسی کی تلاش میں سرگرداں رہے اور خدا کو بھول بیٹھے۔

(۲) دنیا مومن کی سواری

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: "لاتسبّو الدنیا فنعمت مطیة المومن، فعلیها یبلغ الخیر و بهاینجو من الشر" ''دنیا کو برا مت کہو یہ مومن کی بہترین سواری ہے اسی پر سوار ہوکر خیر تک پہونچا جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ شر سے نجات حاصل ہوتی ہے''۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا سواری کی حیثیت رکھتی ہے جس پر سوار ہوکر انسان خدا تک پہونچتا ہے اور جہنم سے فرار اختیار کرتا ہے۔

یہ دنیا کا قابل ستائش رخ ہے اگر دنیا نہ ہوتی تو انسان رضائے الٰہی کے لئے کام کیسے بجا لاتا، کیسے خدا تک پہونچتا؟ اولیاء خدا اگر قرب خداوندی کے بلند مقامات تک پہونچے ہیں تو وہ بھی اسی دنیا کے سہارے سے پہونچے ہیں۔

(۳) دنیا صدقات واعتبار کا گھر ہے۔

(۴) دنیا دار عافیت ہے۔

(۵) دنیا استغنا اور زاد راہ حاصل کرنے کی جگہ ہے۔

(۶) دنیا موعظہ کا مقام ہے۔
(۷) دنیا محبان خدا کی مسجد ہے۔
(۸) دنیا اولیائے الٰہی کے لئے محل تجارت ہے۔

امیر المومنین حضرت علیؑ نے جب ایک شخص کو دنیا کی مذمت کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: "ایھا الذام للدنیا المغترّ بغرورھا المنخدع باباطیلھا! اتغتر بالدنیا ثم تذمھا، انت المتجرم علیھا ام ھی المتجرّمۃ علیک؟ متیٰ استھوتک؟ ام متی غرتک۔۔۔"

''اے دنیا کی مذمت کرنے والے اور اسکے فریب میں مبتلا ہو کر اسکے مہملات میں دھوکا کھا جانے والے! تو اسی سے دھوکا بھی کھاتا ہے اور اسکی مذمت بھی کرتا ہے؟ یہ بتاؤ کہ تجھے اس پر الزام لگانے کا حق ہے یا اسے تجھ پر الزام لگانے کا حق ہے؟ آخر اس نے کیا تجھ سے تیری عقل کو چھین لیا تھا اور کب تجھ کو دھوکہ دیا تھا؟ کیا تیرے آباء واجداد کہ کہنگی کی بناء پر گرنے سے دھوکا دیا ہے یا تمہاری ماؤں کی زیر خاک خواب گاہ سے دھوکا دیا ہے؟ کتنے بیمار ہیں جن کی تم نے تیمارداری کی ہے اور اپنے ہاتھوں سے ان کا علاج کیا ہے اور چاہا کہ وہ شفایاب ہو جائیں اور اطباء سے رجوع بھی کیا ہے۔

> یاد رکھو کہ دنیا باور کرنے والے کے لئے سچائی کا گھر اور سمجھدار کے لئے امن وعافیت کی منزل اور ملائکہ آسمان کا مصلی ہے یہیں وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور یہیں اولیائے خدا آخرت کا سودا کرتے ہیں۔

اس صبح کے ہنگام جب نہ کوئی دوا کام آرہی تھی اور نہ رونا دھونا فائدہ پہنچا رہا تھا۔ نہ تمہاری ہمدردی کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکی اور نہ تمہارا مقصد ہو سکا اور نہ تم موت کو دفع کر سکے۔ اس صورت حال میں دنیا نے تم کو اپنی حقیقت دکھلا دی تھی اور تمہیں تمہاری ہلاکت سے آگاہ کر دیا تھا (لیکن تمہیں ہوش نہ آیا) یاد رکھو کہ دنیا باور کرنے والے کے لئے سچائی کا گھر اور سمجھدار کے لئے امن وعافیت کی منزل اور ملائکہ آسمان کا مصلی ہے یہیں وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور یہیں اولیائے خدا آخرت کا سودا کرتے ہیں

جس کے ذریعہ رحمت کو حاصل کر لیتے ہیں اور جنت کو فائدہ میں لے لیتے ہیں کسے حق ہے کہ اسکی مذمت کرے جبکہ اس نے اپنی جدائی کا اعلان کر دیا ہے اور اپنے فراق کی آواز لگا دی ہے اور اپنے رہنے والوں کی سنانی سنادی ہے اپنی بلا سے ان کے ابتلا کا نقشہ پیش کیا ہے اور اپنے سرور سے آخرت کے سرور کی دعوت دی ہے۔

اسکی شام عافیت میں ہوتی ہے تو صبح مصیبت میں ہوتی ہے تا کہ انسان میں رغبت بھی پیدا ہو اور خوف بھی۔ اسے آگاہ بھی کر دے اور ہوشیار بھی بنا دے۔ کچھ لوگ ندامت کی صبح اسکی مذمت کرتے ہیں اور کچھ لوگ قیامت کے روز اسکی تعریف کریں گے۔ جنہیں دنیا نے نصیحت کی تو انہوں نے اسے قبول کر لیا اس نے حقائق بیان کئے تو اسکی تصدیق کر دی اور موعظہ کیا تو اسکے موعظہ سے اثر لیا''۔

(۹) دنیا بازار ہے

حضرت امام علی نقیؑ نے فرمایا: "الدنیا سوق ربح فیھا قوم و خسر آخرون"

''دنیا ایک بازار ہے جہاں ایک قوم فائدہ میں ہے اور دوسری قوم خسارے میں''

(۱۰) دنیا آخرت کے لئے مددگار ہے

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: "نعم العون الدنیا علی الآخرۃ"

''دنیا آخرت کے لئے بہترین مددگار ہیں''

(۱۱) دنیا ذخیرہ (خزانہ) ہے

امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے: "الدنیا ذخر و العلم دلیل" ''دنیا خزانہ ہے اور علم رہنما''

(۱۲) دنیا دار المتقین ہے

قول پروردگار "و لنعم دار المتقین" کی تفسیر کے ذیل میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اس سے مراد ''دنیا'' ہے۔

خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں مذموم دنیا سے محفوظ رکھے اور دنیا کو ہمارے لئے آخرت کی کھیتی بنا دے جو ہماری نجات کا ذریعہ ہو۔ آمین

★★★★★

امام رضاؑ کی روایات میں امامت اور نبوت کا تقابل

عالیجناب مولانا مرزا عسکری صاحب

امام رضاؑ کی روایات میں امامت اور نبوت کے درمیان مقائسہ اور امام اور پیغمبر کے درمیان بے شمار صفات میں اشتراک و یکسانیت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ان روایات کے مطالعہ اور ان کی تحلیل سے یہ نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ امامت کے حقدار صرف وہ لوگ ہو سکتے ہیں، جن میں بیشتر صفات پیغمبر کی پائی جاتی ہوں۔ ایسا نہیں ہے کہ جو کوئی بھی مسلمانوں کا خلیفہ یا حاکم یا اور کسی عہدہ پر فائز ہو، وہ خود کو امامت کا حقدار ماننے لگے۔

اس لئے سب سے پہلے امام و پیغمبر کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو بیان کرنے کے بعد دونوں کے درمیان صفات میں اشتراک اور افتراقات نیز ان میں کس کو دوسرے پر برتری حاصل ہے بیان کیا جائے گا۔

1۔ پیغمبر کی تعریف

آیات و روایات میں "نبی" اور "رسول" پیغمبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور قرآنی آیات میں ان دو اصطلاحوں کا استعمال تین صورتوں میں ہوا ہے:

الف: بعض آیات میں نبی کا لفظ جمع کی صورت میں "انبیاء" اور "نبیین" کی شکل میں استعمال ہوا ہے؛ جیسے سورہ بقرہ میں "فَبَعَثَ اللَّـهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ" (بقرہ، ۲۱۳)

"لَّقَدْ سَمِعَ اللَّـهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّـهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ" (آل عمران، ۱۸۱)

ب: بعض آیتوں میں رسول اور اس کی جمع "رسل" کی شکل میں استعمال ہوئی ہے؛ جیسے: "يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ" (مائدہ، ۱۰۹)

اور "وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ" (یونس، ۴۷)

ج: بعض آیات میں دونوں لفظوں کا استعمال ہوا ہے، جیسے: "وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ" (حج، ۵۲)

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا" (مریم، ۵۱)

نبی فعیل کے وزن پر فاعل (کام کرنے والا) کے معنی میں (نبأ) سے بنا ہے۔

(اسماعیل بن حماد جوھری، الصحاح ج ۱ ص ۷۴، کلمہ نبأ)

چنانچہ نبی لغت میں خبر دینے والے کے معنی میں ہے۔ اور پیغمبر کو نبی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ خدا کی جانب سے خبر لیکر آتا ہے۔ (سابقہ حوالہ)

بعض لغت داں حضرات ہر خبر کو (نبأ) نہیں مانتے ہیں، ان کی نظر میں (نبأ) اس خبر کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی بڑا فائدہ ہوا اور اسے سن کر علم یا گمان حاصل ہو سکے۔ لہذا اگر کسی خبر میں یہ تین خصوصیت نہ ہو تو وہ اسے (نبأ) نہیں کہتے ہیں۔ (راغب اصفہانی، مفردات الفاظ قرآن، ص ۷۸۸۔۷۸۹، کلمہ نبأ)

دور حاضر کے بعض محققین کے مطابق گرچہ لغت کے اعتبار سے "رسالت" اور "نبوت" میں کوئی اشتراک نہیں پایا جاتا، لیکن مفہوم کے اعتبار سے "نبوت" کا مفہوم "رسالت" سے اعم اور وسیع ہے کیونکہ نبوت رسالت کا لازمہ ہے۔ رسول خدا کی جانب سے پیغام حاصل کرتا ہے، لہذا اس کا لازمہ یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے خبر بھی حاصل کرے۔ قرآنی آیات اور روایات سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مصداق کے اعتبار سے نبی اور رسول کے درمیان عام و خاص مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے (یعنی معنی کے دائرہ کے اعتبار سے ایک کا دائرہ دوسرے سے زیادہ وسیع ہے)۔

(محمد تقی مصباح، راہ و راہنما شناسی، ص ۱۵)

اور اس اعتبار سے ہر رسول، نبی بھی ہے، لیکن ہر نبی، رسول نہیں ہوگا۔

امام رضاؑ اپنی ایک حدیث میں نبی اور رسول کے درمیان فرق کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

رسول وہ ہے جس پر جبرئیل نازل ہوں، وہ فرشتہ وحی کو دیکھے، ان کی بات سنے اور فرشتہ وحی ان پر پیغام خدا کو نازل کرے اور بسا اوقات رسول فرشتہ وحی کو خواب میں دیکھتا ہے، جیسے حضرت ابراہیمؑ کا خواب۔ جبکہ نبی فرشتہ وحی کی آواز سنتا ہے اور بسا اوقات اسے دیکھتا بھی ہے لیکن براہ راست فرشتہ وحی سے کوئی پیغام حاصل نہیں کرتا ہے۔ (محمد یعقوب کلینی، الکافی، ج ۱ ص ۱۷۲)

علم کلام میں پیغمبر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی انسانی واسطہ کے اللہ کا پیغام حاصل کرتا ہو۔

(حسن بن یوسف حلی، منہاج الیقین فی اصول الدین، ص ۴۰۳)

مذکورہ تعریف میں امام بھی شامل ہوجائے گا کیونکہ امام معصوم بھی الہام کے ذریعہ خدا کا پیغام حاصل کرتا ہے۔ اس بات کے پیش نظر پیغمبر کی تعریف یوں بیان کی جاسکتی ہے: وہ انسان کامل جو وحی کے ذریعہ پیغام خدا کو حاصل کرے اور دوسروں تک پہنچائے۔

(سید محسن خرازی، بدایۃ المعارف الالہیۃ، ج ۱ ص ۲۱۱)

امام کی تعریف

لغت میں امامت قیادت کے معنی میں ہے۔

(ر۔ک۔ اسماعیل بن حماد جوہری، سابقہ حوالہ، ج ۵ ص ۱۸۶۵؛ راغب اصفہانی، وہی مآخذ، ص ۸۷؛ علی اکبر دہخدا؛ فرہنگ دہخدا، کلمہ ''امامت'')

ہر وہ شخص جو کسی گروہ کا رہبر ہو اسے امام کہتے ہیں، چاہے وہ گروہ حق پر ہو یا باطل پر، جیسا کہ سورہ توبہ کی ۱۲ ویں آیت میں "ائمہ کفر" کا لفظ کافروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ علم کلام میں امامت اسلامی معاشرہ کی ایسی قیادت کو کہتے ہیں جو ہر اعتبار سے تمام دینی اور دنیاوی امور کو شامل ہو۔

(ر۔ک۔ عبد الرزاق لاہیجی، گوہر مراد، ص ۳۲۹؛ سید علی میلانی، الامامۃ فی اھم الکتب الکلامیۃ، ص ۴۴؛ محمد تقی مصباح، آموزش عقاید، ج ۱۔ ۲ ص ۳۴۵۔۳۴۶)

مذکورہ تعریف کے پیش نظر امام اس شخص کو کہتے ہیں جو (اسلامی معاشرہ کی) تمام دینی اور دنیاوی قیادت کا مالک ہو اور یہ قیادت اسے رسولؐ کی جانشینی میں حاصل ہوئی ہو۔

امام اور نبی کے مشترک صفات

آیات وروایات کے مطالعہ سے خاص طور سے امام رضاؑ کی روایات سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اور امام کچھ صفات میں مشترک ہیں ۔ چنانچہ ذیل میں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔سب سے پہلے یہاں دو حدیثیں بیان کی جائیں گی، جن سے یہ نمایاں ہوگا کہ ایسی بہت سی صفات ہیں جو امام اور نبی کے درمیان مشترک ہیں۔

امام رضاؑ فرماتے ہیں: امامت پیغمبروں کا عہدہ، اوصیاء کی میراث، الٰہی خلافت، رسول خدا کی جانشینی، امیر المومنین کا مقام اور امام حسن وحسینؑ کی یادگار ہے۔ امامت دین کی مہار، مسلمانوں کے درمیان نظم، مومنوں کی عزت اور دنیا آباد کرنے والا عہدہ ہے۔ بے شک امامت اسلام کی بنیاد اور اس کا ایک عظیم منارہ ہے۔نماز، روزہ، حج وزکات اور جہاد نیز مال غنیمت اور صدقات کی فراوانی، الٰہی حدود واحکام کا نفاذ اور اسلامی مملکت کی سرحدوں کی پاسبانی، (معصوم) امام ہی کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔ امام حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام باقی رکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ الٰہی حدود کا نفاذ ہوتا ہے اور وہ خدا کے دین کی حفاظت کرتا ہے نیز اپنے حکمت آمیز بیان اور دل نشین نصیحتوں اور محکم دلیلوں کے ذریعہ لوگوں کو دین خدا کی دعوت دیتا ہے۔ (سابقہ حوالہ)

> میری ذات سے متعلق دو لوگ ہلاک ہوگئے، جب کہ میں ان کے گناہ سے بری ہوں، میرا وہ دوست جو مجھے میری حد سے آگے بڑھادے اور وہ دشمن جو مجھے میرے مقام سے نیچے لائے۔ حضرت علیؑ

امامؑ نے اپنے شیعہ متکلمین اور کوفہ کے علماء ودانشوروں کے سامنے جن میں یہودی اور عیسائی بھی موجود تھے، فرمایا: یاد رکھنا پیغمبر اکرمؐ کے بعد امام (اور ان کا جانشین) صرف وہ شخص ہوسکتا ہے جو امامت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد رسول اکرمؐ کے اہداف ومقاصد کو آگے بڑھا سکے۔

(قطب الدین راوندی، الخرائج والجرائح، ج ۱ ص ۳۵۰)

ذیل میں امام رضاؑ کے اقوال کی روشنی میں امام اور نبی کے درمیان موجود چند مشترک صفات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

۱۔ بندگی

امام رضاؑ نے انبیاء اور ائمہؑ کے بندے ہونے پر خاص تاکید کی ہے اور لوگوں کو غلو (کے شر) سے دور رہنے کو کہا ہے۔ اختصار کے پیش نظر اس سلسلہ میں امام رضاؑ سے منقول چند روایتوں کو پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ مامون نے امام رضاؑ سے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ کچھ لوگ آپ کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں اور آپ کو، آپ کی حدوں سے زیادہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ امام رضاؑ نے جواب دیا: میرے بابا موسی ابن جعفرؑ نے اپنے اجداد اور انہوں نے حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ فرماتے ہیں: مجھے میرے مقام سے بالا و برتر نہ کرو، بہ تحقیق کہ اللہ نے مجھے نبی بنانے سے قبل اپنا بندہ بنایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

" مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ، وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ " کسی بشر کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ خدا اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا کردے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر ہمارے بندے بن جاؤ بلکہ اس کا قول یہی ہوتا ہے کہ اللہ والے بنو کہ تم کتاب کی تعلیم بھی دیتے ہو اور اسے پڑھتے بھی رہتے ہو، وہ یہ حکم بھی نہیں دے سکتا کہ ملائکہ یا انبیاء کو اپنا پروردگار بنالو کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے جب کہ تم لوگ مسلمان ہو۔ (آل عمران؛۷۹۔۸۰)

حضرت علیؑ نے بھی فرمایا ہے: میری ذات سے متعلق دو لوگ ہلاک ہوگئے، جب کہ میں ان کے گناہ سے بری ہوں۔ میرا وہ دوست جو مجھے میری حد سے آگے بڑھادے اور وہ دشمن جو مجھے میرے مقام سے نیچے لائے اور جو لوگ میرے حق میں غلو کرتے ہیں اور مجھے میری منزلت سے آگے بڑھاتے ہیں، میں بارگاہ خدا میں ان سے اسی طرح پناہ مانگتا ہوں جس طرح عیسی ابن مریم نے اللہ کی بارگاہ میں نصاری سے پناہ مانگی تھی: "إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ، مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا

صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ "جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے اور یہ حقیقی جہنّمی ہیں اور وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ لوگ زندگانی دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں بہت پالا ہو اور وہ اس قوم کے کھیتوں پر گر پڑے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اسے تباہ کردے اور یہ ظلم ان پر خدا نے نہیں کیا ہے بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ (آل عمران ۱۱۶۔۱۱۷)

۲۔۳۔اللہ کی طرف سے منصوب ہونا

قرآنی آیات اور روایات کے مطابق اللہ نے انسانوں میں سے کچھ لوگوں کو نبوت اور امامت کے لئے منتخب کیا ہے۔قرآن واحادیث میں زیادہ تر انتخاب کے لئے "اصطفاء" کا لفظ استعمال ہوا ہے؛ جیسے ارشاد پروردگار ہوتا ہے: " إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ "اللہ نے آدم علیہ السّلام، نوح علیہ السّلام اور آل ابراہیم علیہ السّلام اور آل عمران علیہ السّلام کو منتخب کرلیا ہے۔ (آل عمران؛۳۳)

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:"قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ " ارشاد ہوا کہ موسیٰؑ، ہم نے تمام انسانوں میں اپنی رسالت اور اپنے کلام کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے لہذا اب اس کتاب کو لے لو اور اللہ کے شکر گذار بندوں میں ہوجاؤ۔ (اعراف؛۱۴۴)

جناب ابراہم علیہ السلام کے انتخاب کے بارے میں خدا نے فرمایا: " وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ "اور کون ہے جو ملت ابراہیمی سے روگردانی کرے مگر یہ کہ اپنے ہی کو بے وقوف بنائے۔اور ہم نے انہیں دنیا میں منتخب قرار دیا ہے اور وہ آخرت میں نیک کردار لوگوں میں ہیں۔ (بقرہ؛۱۳۰)

اور بعض پیغمبروں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: " وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ "اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک بندوں میں سے تھے۔

اس مفہوم کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ "اصطفاء" کی اصل "صفو" ہے، جس کا معنی ہر

چیز کو ملاوٹ سے دور رکھنا اور خالص کرنا۔ (احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، ج ۳ ص ۲۹۲؛ راغب اصفہانی، سابقہ حوالہ، ص ۴۷۸، کلمہ ''صفو'')

اصطفاء یعنی کسی خالص شئ کا انتخاب اور اسے ہر غیر خالص چیز سے جدا کرنا۔ یہ معنی ولایت کے مراتب کے اعتبار سے عبودیت میں خلوص پر منطبق ہوتا ہے۔ عبودیت یعنی بندہ اپنی زندگی کے تمام امور میں اپنی بندگی اور مملوک خدا ہونے کو مدنظر رکھ کر اپنی زندگی گزارے اور سراپا اپنے پروردگار کے آگے تسلیم رہے۔ اور اس طرح تسلیم ہونے کے بعد اس کی زندگی کا ہر حصہ دین کا تابع ہوگا۔ (سید محمد حسین طباطبائی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۳۰۰)

لہذا مذکورہ آیات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبروں کو اپنے لئے اور خاص اپنی بندگی کے لئے انتخاب کیا ہے۔ چنانچہ یہ خصوصیت امام میں بھی پائی جاتی ہے اور خداوند عالم نے امام کو بھی اسی طرح منتخب کیا ہے۔

امام رضاؑ سے منقول روایات میں نبی اور امام کے اس انتخاب کا تذکرہ آیا ہے۔ ان میں بعض روایات کو ذیل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں: خدا کسی ایسے انسان کو اپنی رسالت کے لئے انتخاب نہیں کرتا ہے، جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ وہ اس کی بندگی سے سرپیچی کرے گا اور اس کی بندگی چھوڑ کر شیطان کا تابع ہوجائے گا: "وَ لَا يَخْتَارُ لِرِسَالَتِهِ وَ لَا يَصْطَفِي مِنْ عِبَادِهِ مَنْ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَكْفُرُ بِهِ وَ يَعْبُدُ الشَّيْطَانَ دُونَه" (محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ۲ ص ۱۳۳)

۲۔ دوسری حدیث میں امامؑ فرماتے ہیں: امام صرف خدا کی طرف سے ہی منتخب ہوتا ہے اور خدا نے کائنات کی خلقت سے قبل ہی امام کا انتخاب کیا ہے: (فَالْإِمَامُ إِنَّمَا يَكُونُ إِمَاماً مِنْ قِبَلِ اللَّهِ تَعَالَى وَ بِاخْتِيَارِهِ إِيَّاهُ فِي بَدْءِ الصَّنِيعَةِ۔۔۔) (سابقہ حوالہ، ص ۲۱۰۔۲۱۱)

امام رضاؑ کی روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت یا امامت کے لئے کسی انسان کا انتخاب صرف خدا کے اختیار میں ہے۔

۳۔ ۳ حجت خدا ہونا

آیات وروایات اور عقلی دلیلوں سے یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء اور امام حجت خدا ہوتے ہیں۔ خدا متعال ان کے ذریعہ لوگوں پر اپنی حجت تمام کرتا ہے۔ ان کے آنے کے بعد الٰہی معارف اور احکام خدا کو حاصل کرنے میں کوئی عذر نہیں بچتا۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے: "رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ" یہ سارے رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے اس لئے بھیجے گئے تا کہ رسولوں کے آنے کے بعد انسانوں کی حجت خدا پر قائم نہ ہونے پائے۔ (نساء:۱۶۵)

> امام حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام باقی رکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ الٰہی حدود کا نفاذ ہوتا ہے۔ نیز اپنے حکمت آمیز بیان اور دل نشین نصیحتوں اور محکم دلیلوں کے ذریعہ لوگوں کو دین خدا کی دعوت دیتا ہے۔

امام کاظمؑ فرماتے ہیں: اے ہشام! اللہ نے لوگوں کے درمیان دو حجتیں رکھیں ہیں: حجت ظاہر اور حجت باطن؛ حجت ظاہر و آشکار اللہ کے رسول اور ائمہ ہیں اور حجت باطن انسانوں کی عقل ہے۔ (محمد بن یعقوب کلینی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۵)

ذیل میں اس سلسلہ میں امام رضاؑ کی چند روایات کو پیش کرتے ہیں جن میں آپ نے پیغمبر اور امام کو حجت خدا بتایا ہے:

۱۔ سلیمان بن جعفر حمیری کہتے ہیں: میں نے امام رضاؑ سے سوال کیا: کیا زمین حجت خدا کے بغیر باقی رہ سکتی ہے؟ امامؑ نے فرمایا: اگر زمین، پلک جھپکنے کے برابر بھی حجت سے خدا سے خالی ہو جائے تو وہ اپنے اہل (اس پر بسے لوگ) کو نگل جائے گی۔ (محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۲۴۸)

۲۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں: جب بھی کوئی امام اس دنیا سے جاتا ہے اللہ اپنے بندہ کے لئے اسی امام کی نسل سے کسی دوسرے امام کو منتخب کرتا ہے تا کہ وہ اللہ کی نشانی، لوگوں کی ہدایت کرنے والا، ثابت قدم امام اور علم لدنی کا مالک حجت خدا ہو۔ اور ایسا امام ہو جو لوگوں کو راہ حق دکھانے والا ہو اور

عدل وانصاف کے ساتھ حکم وفیصلہ کرتا ہو نیز حجت خدا اور لوگوں کو خدا کی جانب دعوت دیتا ہو۔۔۔:" كُلَّمَا مَضَى مِنْهُمْ إِمَامٌ نَصَبَ لِخَلْقِهِ مِنْ عَقِبِهِ إِمَاماً عَلَماً بَيِّناً وَ هَادِياً نَيِّراً وَ إِمَاماً قَيِّماً وَ حُجَّةً عَالِماً أَئِمَّةً مِنَ اللَّهِ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَ بِهِ يَعْدِلُونَ حُجَجُ اللَّهِ وَ دُعَاتُه۔۔۔" (سابقہ حوالہ، ص ۲۰۳)

۴۔ ۳۔ الٰہی خلافت

قرآنی آیات اور روایات سے یہ ثابت ہے کہ نبی اور امام زمین پر اللہ کے خلیفہ اور جانشین ہوتے ہیں۔ خدا نے اپنے فرشتوں کے درمیان اعلان کیا کہ میں اپنا جانشین بنانے جارہا ہوں: "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" (بقرہ: ۳۰)

جیسا کہ خود خلافت کے لفظ سے نمایاں ہے کہ خلافت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوسکتی ہے جب خلیفہ اور جانشین اپنی اصل کا آئینہ ہو۔ اس کے اندر جانشین بنانے والے تمام اوصاف وکمالات اور آثار و احکام نیز اس کی وہ تمام تدابیر جس کے لئے اس نے اس شخص کو خلیفہ وجانشین مقرر کیا ہے، موجود ہوں۔ (سید محمد باقر موسوی ہمدانی، ترجمہ المیزان، ج ۱ ص ۱۷۷؛ سید محمد حسین طباطبائی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۱۵)

مذکورہ آیت اور اس کے بعد والی آیات سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ آیت میں خلافت سے مراد، زمین پر اللہ کی جانشینی ہے۔

۲۔ مذکورہ خلافت حضرت آدمؑ سے مخصوص اور آپؐ تک محدود نہیں ہے، بلکہ اولاد آدمؑ بھی اس کمال میں، ان کے شریک ہیں۔ اس حقیقت کو مندرجہ ذیل آیات کے ذریعہ ثابت کیا جاسکتا ہے: "إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ" کہ تم کو اس نے قوم نوح علیہ السّلام کے بعد زمین میں جانشین بنایا ہے۔ (اعراف: ۶۹)

"ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ" اس کے بعد ہم نے تم کو روئے زمین پر ان کا جانشین بنادیا (یونس: ۱۴)

"وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ" اور تمہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا۔ (نمل: ۶۲)

(سابقہ حوالہ ص ۱۷۸۔۱۷۹؛ سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۱۶)

۵۔ ۳۔ عصمت

نبی کی ایک صفت جو امام میں بھی پائی جاتی ہے، وہ عصمت ہے۔لغت میں عصمت کی اصل ''عصم''، یعنی دور رکھنا۔ اور روکنا۔ (اسماعیل بن حماد جوہری کلمہ ''عصم'') (راغب اصفہانی، کلمہ ''عصم'') اور عصمت یعنی اللہ اپنے بندہ کو کسی بھی قسم کی برائی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ (احمد بن فارس، سابقہ حوالہ)

متکلمین کی نظر میں: عصمت ایک ایسی طاقت وقوت ہے جو انسان کو گناہوں اور لغزشوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہے۔ (جعفر سبحانی، عصمۃ الانبیاء، ص ۲۰)

البتہ پیغمبروں یا دوسرے انسانوں (اماموں) کے معصوم ہونے کا مطلب صرف گناہوں سے محفوظ رہنا نہیں ہے کیونکہ ایک عام انسان کے لئے بھی ممکن ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہے (مثال کے طور پر کم عمری کے سبب گناہ انجام نہ دے)۔ بلکہ معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے برے سے برے حالات میں بھی گناہ سے دور رہے۔ (محمد تقی مصباح، آموزش عقاید، ج ۱۔ ۲، ص ۲۳۷)

شیعوں کو عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء اپنی پیدائش سے عمر کے آخر حصہ تک تمام کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں، یہاں تک کہ بھولے سے بھی ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا۔

شیعہ اور اہل سنت کے درمیان اس اختلاف کی اصل بنیاد ''امامت'' کی تعریف ہے۔شیعوں کی نظر میں امامت رسالت کا تداوم ہے، لہذا وہ امام کے لئے عصمت کو ضروری مانتے ہیں۔جبکہ اہل سنت کی نظر میں امامت کو یہ تقدس حاصل نہیں ہے۔ان کی نظر میں امامت محض ایک ظاہری حکومت کی حیثیت رکھتی ہے۔لہذا وہ امام کو ایک عام اور معمولی انسان سمجھتے ہیں اور اس کے لئے عدالت (یعنی گناہوں اور ظلم وستم سے دوری) کو بھی ضروری نہیں سمجھتے ہیں، یا پھر بہت معمولی حد تک عدالت کو ضروری سمجھتے ہیں۔

امام رضاؑ کی وہ احادیث جن میں نبی اور امام کے لئے عصمت ضروری ہے، ذیل میں ان میں سے بعض کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

۱۔علی بن محمد بن جہم اور مامون نے امام رضاؑ کی خدمت میں انبیاء کی عصمت سے متعلق چند شبہات پیش کئے تو امامؑ نے ان کا جواب دیا: علی بن محمد بن جہم نے امام رضاؑ کی خدمت عرض کیا: کیا

آپؑ کی نظر میں انبیاء کے لئے عصمت ضروری ہے؟ امامؑ جواب دیا: ہاں۔ پھر علی بن محمد بن جہم نے قرآن مجید کی ان آیات کو پیش کیا جن کے ظاہر سے انبیاء کی عصمت پر سوالیہ نشان لگتا ہے اور امامؑ نے ایک ایک کر کے سب کا جواب دیا۔

(ر۔ک۔ محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ا ص ۱۷۰۔ ۱۷۳)

۲۔ امام رضاؑ نے امام کے تعارف میں مندرجہ ذیل اوصاف کو بیان فرمایا ہے:

امام ہر گناہ سے پاک ہوتا ہے اور تمام عیوب سے منزہ ہے: ''اَلْإِمَامُ الْمُطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوبِ وَ الْمُبَرَّأُ عَنِ الْعُيُوب'' (محمد بن علی صدوق، ۔سابقہ حوالہ، ج ا ص ۱۹۷)

وہ قداست، بندگی، زہد، علم و عبادت کا محور و مرکز ہے: ''مَعْدِنُ الْقُدْسِ وَ الطَّهَارَةِ وَ النُّسُكِ وَ الزَّهَادَةِ وَ الْعِلْمِ وَ الْعِبَادَة'' (سابقہ حوالہ، ص ۱۹۸)

امام معصوم، اللہ کی جانب سے تائید و توفیق یافتہ، ثابت قدم اور ہر طرح کی خطاؤں اور لغزشوں سے پاک و منزہ ہوتا ہے: ''فَهُوَ مَعْصُومٌ مُؤَيَّدٌ مُوَفَّقٌ مُسَدَّدٌ قَدْ أَمِنَ مِنَ الْخَطَايَا وَ الزَّلَلِ وَ الْعِثَار'' (سابقہ حوالہ، ص ۱۹۹)

۶۔ ۳۔ علم لدنی

قرآنی آیات و روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کے لئے علم لدنی کا حامل ہونا ضروری ہے اور پھر ان کا علم، میراث میں ائمہ معصومینؑ تک منتقل ہوتا ہے۔ خداوند متعال نے سورہ بقرہ کی ۳۱ویں آیت میں جناب آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ'' اور خدا نے آدم علیہ السّلام کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔

آیت میں ''اسماء'' سے مراد مسمیات ہیں، یعنی خود موجودات اور چونکہ اسماء جمع کا صیغہ ہے نیز اس کے اوپر ''ال'' بھی لگا ہے، تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب آدم کو تمام چیزوں کی حقیقت کا علم تھا۔ (سید محمد حسین طباطبائی، سابقہ حوالہ، ج ا ص ۱۱۶۔ ۱۱۷)

اور یہ علم جناب آدم سے ہی مخصوص نہ تھا، بلکہ اللہ نے امانت و ودیعہ کے طور پر انسانوں کو یہ علم عطا کیا ہے، اس طرح کہ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ انسان اس علم سے بہرہ مند ہو سکے

اور جب بھی انسان راہ راست پر پہنچ جائے تو اس الٰہی امانت کو قوت سے فعل کی جانب منتقل کر سکے۔ (سابقہ حوالہ، ص ۱۱۶)

لہذا وہ لوگ جو منصب نبوت کے لائق ہوں گے وہ اس علم سے بہرہ مند ہوں گے، جیسا کہ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ علم جو حضرت آدمؑ کے ساتھ زمین پر آیا تھا وہ دوبارہ واپس نہیں گیا، بلکہ وہ علم اماموںؑ پاس آیا اور یکے بعد دیگر میراث کے طور پر ان کے درمیان منتقل ہو۔ (ر۔ک۔ محمد بن یعقوب کلینی، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۲۲۱۔۲۴۲)

شیعوں کی نظر میں امامت رسالت کا تداوم ہے لہذا وہ امام کے لئے عصمت کو ضروری مانتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت کی نظر میں امامت کو یہ تقدس حاصل نہیں ہے، ان کی نظر میں امامت محض ایک ظاہری حکومت کی حیثیت رکھتی ہے۔

انبیاء اور ائمہؑ کے علم سے متعلق امام رضاؑ کی بعض روایات قابل ملاحظہ ہیں:

۱۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں: بہ تحقیق اللہ انبیاء اور ائمہؑ کو کامیاب بناتا ہے اور انہیں اپنے اس علم وحکمت سے سرفراز کرتا ہے جو وہ کسی اور کو نہیں دیتا ہے۔ لہذا ان کا علم زمانہ کے تمام علوم سے برتر ہوتا ہے۔ (محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ۱ ص ۱۹۹)

۲۔ امام رضاؑ نے اپنے باباؑ اور انہوں نے امام صادقؑ سے روایت کی ہے کہ: اللہ کا ایک علم وہ ہے جو خود اس کے پاس مخزون اور پوشیدہ ہے جو صرف وہ خود ہی جانتا ہے۔ ''بدا'' کا تعلق اسی علم سے ہے۔ اور ایک وہ علم ہے جس کو وہ اپنے فرشتوں اور نبیوں کو دیتا ہے۔ پیغمبروں کے اہل بیت میں سے علماء و دانشوروں کو بھی یہی علم دیا جاتا ہے۔ (سابقہ حوالہ، ۱۶۰)

۳۔ امام رضاؑ عبداللہ بن جندب سے خطاب کر کے فرماتے ہیں: امابعد، بہ تحقیق کہ محمدؐ بندوں کے درمیان اللہ کے امین ہیں اور ان کے بعد ہم اہل بیتؑ ان کے وارث اور زمین پر خدا کے امین

ہیں۔ بلاء، مصیبتیں، موت وحیات، عربوں کا سلسلہ نسب اور اسلام کے آغاز (وانجام) کا علم ہمارے پاس ہے۔ ہم ہر ایک کو اس کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ وہ سچا مومن ہے یا منافق ہے۔ ہمارے پاس ہمارے شیعوں کا نام ان کی ولدیت کے ساتھ موجود ہے، خدا نے ہم سے اور ان سے عہد لیا ہے۔ ہمارے شیعہ ہمارے سرچشمہ سے سیراب ہوئے ہیں۔ ہمارے اور ان کے علاوہ کوئی بھی اسلام پر باقی نہیں ہے۔ ہم پاک ونجات یافتہ ہیں اور ہم پیغمبروں کے وارث ہیں، اوصیاء کا سرمنشا ہم ہیں اور اللہ کی کتاب میں منتخب اور برگزیدہ بندے ہم ہی ہیں۔ کتاب خدا کی وراثت کے لئے سب بہتر ہم ہیں اور لوگوں میں سب سے زیادہ رسول خدا سے قریب ہم ہیں۔

(محمد بن یعقوب کلینی، سابقہ حوالہ، ج ا ص ۲۲۴)

۴۔ امام رضاؑ نے علم ودانائی کو امام کی علامتوں میں سے ایک بتایا ہے: ''دو چیزیں امامت پر دلیل ہیں: علم اور دعا کی قبولیت۔۔۔۔'' (محمد بن علی صدوق، سابقہ حوالہ، ج ا ص ۱۹۳)

۷۔ ۳۔ اطاعت کا وجوب

بے شمار دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام لوگوں پر پیغمبروں کی اطاعت واجب ہے (مثال کے طور پر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ'' (نساء: ۶۴)

اس آیت میں انبیاء کی بعثت کا ہدف ومقصد لوگوں کا ان کی اطاعت اور پیروی کرنا بیان ہوا ہے۔ اور اطاعت کے وجوب کو بیان کرنے کے لئے ''باذن اللہ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(مزید مطالعہ کے لئے، ر۔ک۔ سید محمد حسین طباطبائی، المیزان، ج ۴ ص ۴۰۴)

اور اماموں کی اطاعت بھی اسی طرح واجب ہے کسی کو بھی ان کی مخالفت کا اختیار وحق نہیں ہے۔

(مزید مطالعہ کے لئے ر۔ک۔ سابقہ حوالہ، ص ۳۸۷۔ ۴۱۴)

امام رضاؑ سے منقول روایات میں بھی اس حقیقت کا بیان پایا جاتا ہے۔ ذیل میں چند روایتیں قابل ملاحظہ ہیں:

ا۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں: خداوند متعال نے اپنے نبی محمدؐ کو انبیاء وملائکہ سمیت تمام انسانوں پر برتری دی ہے، ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور دنیا واخرت میں ان کی زیارت کو اپنی

زیارت شمار کیا ہے۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے: ''مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّـهَ'' جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (نساء:۸۰)

نیز ارشاد پروردگار ہے: ''إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّـهَ يَدُ اللَّـهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ'' بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی بیعت کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ ہی کا ہاتھ ہے۔ (فتح:۱۰) (محمد بن علی صدوق، عیون اخبار الرضاؑ، ج۱ ص۱۱۵)

۴۔ نبی اور امام میں فرق

امام رضاؑ کی روایات کی روشنی میں نبی اور امام کے درمیان مشترک صفات کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ سوال سامنے آتا ہے کہ نبی اور امام کے درمیان کیا فرق ہے؟ حسن بن عباس معروفی نے امام رضاؑ سے سوال کیا کہ 'رسول'، 'نبی' اور 'امام' میں کیا فرق ہے؟ امامؑ نے اس طرح جواب دیا: رسول، نبی اور امام میں فرق یہ ہے کہ رسول پر جبرئیل نازل ہوتے ہیں اور وہ انہیں دیکھتا ہے اور ان کی بات سن سکتا ہے اور جبرئیل اس پر وحی نازل کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ جبرئیل کو خواب میں بھی دیکھتا ہے، جیسا کہ جناب ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا تھا۔ نبی کبھی فرشتہ کی آواز سنتا ہے اور بسا اوقات اسے دیکھتا بھی ہے لیکن اس سے بات نہیں کرتا۔ البتہ امام وہ ہوتا ہے جو فرشتہ کی آواز تو سنتا ہے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتا ہے۔ (سابقہ حوالہ، ص۱۷۶)

اس روایت میں صرف خدا سے رابطہ کے اعتبار سے اختلاف کو بیان کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے وہ روایات جن میں نبی اور امام کے درمیان دوسرے اور بھی فرق بیان کئے گئے ہیں، اس روایت سے کوئی تعارض نہیں رکھتی ہیں۔

۵۔ نبوت پر امامت کی برتری

نبی اور امام کے درمیان متعدد صفات میں اشتراک کے پیش نظر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ان دونوں میں برتر کون ہے؟ بعض روایات کے مطابق امام کی منزلت اور اس کا مقام نبی سے برتر ہے۔ امامت سے متعلق معروف حدیث میں امام رضاؑ فرماتے ہیں: بہ تحقیق اللہ نے جناب ابراہیم خلیل اللہؑ کو امامت کا عہدہ، نبوت اور خلت کے مقام کے بعد عطا کیا اور اللہ نے اس فضلیت سے انہیں نوازا نیز

اس کے ذریعہ انہیں عظمت ورفعت عطا کی۔ چنانچہ اللہ نے کہا: ''قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا'' اے ابراہیم میں آپ کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ (بقرہ: ۱۲۴)

جناب ابراہیم نے سرور ومسرت کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں دست سوال بلند کیا: ''وَمِن ذُرِّيَّتِي'' پروردگارا، اس عہدہ کو میری ذریت میں بھی قرار دے''۔ اللہ نے جواب دیا: ''لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ'' یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا۔ چنانچہ اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ قیامت تک منصب امامت کسی ظالم کو نہیں مل سکتا۔ (سابقہ حوالہ، ص ۱۹۶)

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ مضمون کے اس حصہ میں گفتگو امامت کے مقام ومنزلت کے حوالے سے ہو رہی ہے اور خود منصب امامت نبوت سے برتر ہے۔ لہذا امام، مقام امامت کے اعتبار سے نبی سے برتر ہے۔ البتہ اگر کوئی نبی ورسول، امام بھی ہو تو وہ اس اعتبار سے برتر ہوگا۔ چنانچہ بعض انبیاء، جن کے پاس نبوت کے علاوہ امامت بھی تھی، جیسا کہ روایت میں جناب ابراہیمؑ کے سلسلہ میں اشارہ ہوا ہے، وہ امامت کے اعتبار سے دوسرے نبیوں سے برتر ہوں گے۔

خلاصہ

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ پیغمبر وہ انسان کامل ہے جس پر اللہ اپنی وحی نازل کرتا ہے۔

۲۔ امام وہ ذات ہے جو تمام دینی اور دنیاوی امور میں (انسانی معاشرہ کی) ریاست وقیادت رکھتا ہے اور یہ ریاست وقیادت اسے رسولؐ کی جانشینی میں ملتی ہے۔

۳۔ پیغمبر کی طرح امام بھی ہر گناہ، خطا اور لغزشوں سے بری ومعصوم رہتا ہے۔

۴۔ پیغمبروں کی طرح اللہ امام کا بھی انتخاب کرتا ہے۔ امام کے انتخاب میں لوگوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

۵۔ امام بھی نبی کی طرح علم لدنی کا مالک ہوتا ہے۔

۶۔ نبی کی طرح امام بھی حجت خدا ہوتا ہے اور خدا اس کے ذریعہ لوگوں پر اپنی حجت کو تمام کرتا ہے۔

۷۔ امام کی الٰہی خلافت بھی نبی کی طرح ہوتی ہے اور وہ بھی زمین پر خدا کا جانشین ہوتا ہے۔

۸۔ نبی کی طرح امام بھی مخلوق اور بندہ خدا ہوتا ہے، اس کی عبادت نہیں کی جاتی ہے۔

۹۔ نبی ممکن ہے فرشتہ کو دیکھے بھی لیکن امام صرف اس کی آواز سنتا ہے لیکن اسے دیکھتا نہیں ہے۔

۱۰۔ مقام امامت، نبوت سے (صرف عہدہ کے اعتبار سے) برتر ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ انبیاء کہ جن کے پاس امامت کا عہدہ بھی تھا وہ، اس عہدہ کے اعتبار سے ان پیغمبروں سے برتر تھے، جن کے پاس یہ عہدہ نہیں تھا، جس طرح رسول خداؐ کو تمام انبیاء اور اماموں پر بھی برتری حاصل ہے۔

★★★★★

ہدیٰ مشن — ممبرشپ فارم

مصباح الہدیٰ (اردو) 200/-	مصباح الہدیٰ (ہندی) 200/-	ماہنامہ طوبیٰ 300/-

Name: Mr./Mrs./Miss

Father/Husband'sName:

Address:

City/Vill.: Post :

Distt.: State:

Pin: Mobile No:

Phone e-mail:

मौजूदा सब्सक्राइबर्स अपनी कस्टमर ID लिखें: Date .... Signature..................

Huda Mission, Shifaat Market, Zahra Colony, Muftiganj, Lucknow-3
9415090034, 9451085885, 8726254727

رقم کے ہمراہ اس فارم کی کاپی روانہ فرمائیں

حدیث غدیر اور نہج البلاغہ

تحریر: حجۃ الاسلام والمسلمین سید کاظم طباطبائی ترجمہ: عالیجناب مولانا مرزا عسکری حسین صاحب

حضرت امام علیؑ ابن ابی طالب کی امامت اور ولایت کے باب میں حدیث غدیر ایک بنیادی دلیل ہے۔ نہج البلاغہ میں بھی متعدد مقامات پر اہل بیتؑ کے مقام ومنزلت کا بیان آیا ہے۔ نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر دلیلوں کے ذریعہ یہ نمایاں کیا گیا ہے کہ اہل بیتؑ اور خاص کر حضرت علیؑ جانشینی رسولؐ کے لئے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ لیکن خود نہج البلاغہ میں حدیث غدیر کا کوئی واضح اور نمایاں ذکر نہیں ہے۔

یہ بات بعض لوگوں کے ذہنوں میں تشویش کا موضوع بن گئی کیونکہ خود امام علیؑ نے اس کتاب میں حدیث غدیر کے حوالے سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ سردست مقالہ میں اسی موضوع کی تحقیق کی گئی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ حضرت علیؑ نے حدیث غدیر سے کوئی نمایاں استدلال اس کتاب میں نہیں کیا ہے لیکن بارہا اپنی زندگی میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

حدیث غدیر اور اس کا صدور

امیر المومنین حضرت علیؑ کی ولایت و امامت کے سلسلہ میں شیعوں کی سب سے مستحکم دلیل حدیث غدیر ہے۔ شیخ مفید نے حدیث غدیر اور اس کے بیان کے وقت کے ماحول کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

حج کے مناسک سے فراغت کے بعد آنحضرت (ص) نے قربانی میں حضرت علیؑ کو شریک بنایا اور پھر دیگر مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ راہ میں غدیر خم کے بے آب وعلف بیابان

میں پہنچے تو لوگوں کو وہاں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ دیگر تمام مسلمانوں کے ہمراہ آپ (ص) وہاں اتر گئے۔ اس میدان میں اترنے کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ آیت جو اللہ کی جانب سے آپ پر نازل ہوئی اللہ نے اس میں حضرت علیؑ کی جانشینی کے اعلان کا حکم دیا تھا، اسے لوگوں تک پہنچادیں اور حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کردیں۔ اس سے قبل بھی اس سلسلہ میں رسول اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی تھی لیکن فوری اعلان کا وقت مقرر نہیں کیا گیا تھا، لہذا آپؐ ایسے موقعہ کی تلاش میں تھے جس میں حضرت علیؑ لوگوں کے اختلاف وانتشار سے محفوظ رہ سکیں۔

خدا بھی یہ جانتا تھا کہ اگر یہ قافلہ غدیر خم سے آگے بڑھ گیا تو پھر بہت سے لوگوں تک یہ پیغام نہیں پہنچ پائے گا۔ لہذا خدا اتمام حجت اور ابلاغ پیغام کے لئے رسول اکرمؐ پر غدیر خم میں دوبارہ اس آیت کو نازل کیا:

"يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" (مائدہ، ۶۷)

اللہ نے رسول خداؐ پر اس اعلان کو ضروری ٹھہرایا اور ساتھ میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری کا بھی اعلان کیا۔ چنانچہ رسول خداؐ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کے لئے اس مقام پر توقف کیا اور اس گرم اور جھلستے ہوئے صحرا میں مسلمانوں کو بھی قیام کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اس درخت کے سایہ کو پاک وصاف کیا جائے اور اونٹوں کے پالان کا منبر تیار کیا جائے۔ پھر اپنے موذن کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو آواز دیں اور یہاں اکٹھا کریں۔

گرمی کی شدت کے سبب لوگوں نے اپنے پیروں کے نیچے اپنی چادریں لپیٹ لی تھیں، موذن کی آواز سن رسولؐ کے گرد وپیش جمع ہونے لگے۔ جب لوگ اکٹھا ہوگئے تو آنحضرتؐ پالان شتر کے منبر پر سوار ہوئے اور حضرت علیؑ کو بھی منبر پر بلایا۔ حضرت علیؑ منبر پر سوار ہوئے اور آنحضرتؐ کے داہنی سمت کھڑے ہوگئے۔ آنحضرتؐ نے اللہ کی حمد وثنا کے ساتھ خطبہ میں لوگوں کو وعظ ونصیحت کی اور اپنے سانحہ ارتحال کی ناگوار خبر سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: بارگاہ خدا سے میرا بلاوا آچکا ہے، عنقریب میں تمہارے درمیان سے چلا جاؤں۔ لیکن میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم اس

سے متمسک رہو تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے: اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہل بیتؑ اور یہ دو ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

پھر آپؐ نے بلند آواز سے فرمایا: کیا میں تمہاری نفسوں سے تم پر اولیٰ نہیں ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا: بے شک یا رسول اللہ! پھر بلا فاصلہ حضرت علیؑ کو بازوؤں کی جانب سے پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی نمایاں ہونے لگیں اور پھر فرمایا: میں جس کا مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں۔ خدایا تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے، اسے دشمن رکھ جو علی کو سے دشمنی رکھے، اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور جو علیؑ کو رسوا کرنا چاہے تو اسے رسوا کر۔ زوال کا وقت نزدیک ہو چکا تھا، آپ منبرؐ سے نیچے آئے دو رکعت نماز ادا کی پھر موذن نے ظہر کی اذان دی اور آنحضرتؐ نے نماز جماعت پڑھائی اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور حضرت علیؑ سے بھی کہا کہ وہ اپنے خیمہ میں تشریف لے جائیں۔

اس بعد مسلمانوں کو آپؐ نے حکم دیا کہ وہ گروہ در گروہ جا کر حضرت علیؑ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کریں اور امام و ولی مومنین کے عنوان سے انہیں سلام کریں۔ چنانچہ لوگوں نے یہی کیا۔ پھر آپؐ نے اپنی ازواج سے کہا کہ وہ بھی جا کر حضرت علیؑ کو امام و ولی کے عنوان سے سلام کریں، چنانچہ انہوں نے بھی جا کر حضرت علیؑ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے امام و ولی کے عنوان سے سلام کیا۔

ہدیہ تبریک و مبارکباد کے سلسلہ میں جناب عمر نے دوسروں پر سبقت لی اور دوسروں کے بسنبت زیادہ والہانہ الفاظ استعمال کئے اور کہا: مبارک ہو مبارک ہو اے علی! آپ ہمارے اور تمام مومن مرد و زن کے مولا ہو گئے۔

مداح رسولؐ جناب حسان بن ثابت رسول خداؐ کی خدمت میں آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ص اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اشعار کی شکل میں اس واقعہ کو نظم کر دوں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اے حسان بسم اللہ شروع کرو۔

حسان نے ایک بلندی پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھنا شروع کئے اور عالم یہ تھا کہ لوگ اپنی گردنیں انچیں کر کر کے سن رہے تھے۔ حسان نے یوں آغاز کیا:

یناديهم يوم الغــــدير نبيّهم　　　　بخمّ واسمع بالـــرسول منادياً

فقال فمن مولاکم و نبیکم؟	فقالوا و لم یبدوا ھناک التعامیا
إلھک مولانا و أنت نبیّنا	و لم تلق منّا فی الولایۃ عاصیاً
فقال لہ قم یا علیّ فإنّنی	رضیتُک مِن بعدی إماماً و ھادیاً
فمن کنتُ مولاہ فھذا	ولیّہ فکونوا لہ اتباع صدق و الیاً
ھناک دعا اللّھم وال ولیّہ	و کن للذی عاد علیاً معادیاً

اشعار سن کر رسول خداؐ نے حسان بن ثابت سے کہا اے حسان تم جب تک اپنے کلام سے ہماری مدد کرتے رہوگے، روح القدس تمہارے نگہبان رہیں گے۔

حدیث غدیر کا تواتر

میں نے دیکھا کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت رسول خدا نے لوگوں کو بے آب وعلف صحرا میں جمع کیا اور تپتے صحرا میں سب سے حضرت امیر المومنینؑ کے لئے بیعت لی۔ ایسے ماحول میں حدیث غدیر کے نقل ہونے کے سبب مسلمانوں کی اکثریت نے اسے سن کر محفوظ بھی کرلیا اور یہ حدیث بعد کی نسلوں تک منتقل بھی ہوگئی۔ اور صاحب "الغدیر" کے مطابق تقریبا ۱۱۰ صحابہ اور ۸۴ تابعین نے تواتر کے ساتھ اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

> رسول خداؐ: میں جس کا مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں۔ خدایا تو اسے دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے، اسے دشمن رکھ جو علی کو سے دشمنی رکھے، اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور جو علیؑ کو رسوا کرنا چاہے تو اسے رسوا کر۔

مخالفین کے سامنے حضرت علیؑ ایک احتجاج

رسول خداؐ کی رحلت کے بعد جب جانشینی کا مسئلہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انحراف کا شکار ہوا۔ حضرت علیؑ نے بارہا دوست و دشمن سب ہی کے سامنے اپنے حق خلافت کے غصب ہونے کا تذکرہ کیا اور بارہا دلیل واستدلال کے ذریعہ ثابت کیا کہ خلافت کے حقیقی اور واقعی حقدار وہی ہیں۔ ان دلیل واستدلالات کی کچھ نظیریں نہج البلاغہ میں بھی موجود ہیں۔ بطور مثال:

۱۔ نہج البلاغہ کے دوسرے خطبہ میں آل رسولؐ کے مقام ومنزلت بیان کرتے ہوئے مولا

فرماتے ہیں:

اسرار نبوت ان کے پاس ہیں، جو ان کی بارگاہ میں پناہ لے گا، حق اس کی منزل ہوگی۔ وہ علم نبوت کا خزانہ اور احکام شریعت کو بیان کرنے والے ہیں۔ قرآن وسنت ان کی آغوش میں محفوظ ہیں، بلند پہاڑوں کے مانند وہ دین کے نگہ بان ہیں، اسلام انہیں کے ذریعہ محفوظ ہوا ہے۔

پھر مزید فرماتے ہیں:

اس امت میں آل محمدؐ کا نہ تو کوئی ہمسر ہے اور نہ ہی ان کی قدر ومنزلت کی کوئی برابری کرسکتا ہے۔ وہ دین کا ستون اور یقین کی بنیادیں ہیں۔ حدوں سے آگے بڑھنے کی نجات ان کی بارگاہ میں لوٹ کر آنے میں ہے اور حدوں سے پیچھے رہنے والوں کے لئے ان سے ملحق ہونا ضروری ہے۔ ولایت صرف ان کا حق ہے اور نبوت کی میراث انہیں کے پاس ہے۔

۲۔ اپنے معروف خطبہ ''شقشقیہ'' میں نہ صرف خلافت اور رسولؐ کی جانشینی کے سلسلہ میں ہونے والے اختلاف کو آپؑ نے بیان کیا بلکہ ماسبق خلفاء کی بدرفتاریاں اور ناگفتہ بہ حالات واثرات پر نکتہ چینی بھی کی۔ نیز اس بات کو واضح کیا کہ مسلمانوں کی زعامت وقیادت کے لئے تنہا لائق اور شائستہ ذات انؑ کی تھی۔ اس خطبہ میں آپ ع نے بالکل صریح الفاظ میں کہا کہ خلافت میری میراث ہے'' اری تراثی نھبا'' اور اپنی نگاہوں کے سامنے میں نے اپنی میراث کو لٹتا دیکھتا۔

۳۔ نہج البلاغہ کے چوتھے خطبہ کے آغاز میں بھی آپ نے اہل بیتؑ کے مقام ومنزلت کو بیان کیا نیز یہ واضح کیا کہ لوگوں کی ہدایت وارشاد میں ان کا کیا کردار ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

''ہماری ہدایت وراہنمائی نے تمہیں ظلمتوں سے نجات اور پستی سے برتری عطا کی ہمارے ہی سبب تم تاریکیوں کے اندھیروں سے باہر نکلے ہو''۔

نہج البلاغہ کے چھٹے خطبہ میں اپنے پامال شدہ حق کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

خدا کی قسم رحلت رسولؐ سے لیکر آج تک انہوں نے مجھے میرے حق سے محروم رکھا اور مجھ سے کمتر کو مجھ پر برتری دی ہے۔

۵۔ چھبیسویں خطبہ میں بھی خطبہ شقشقیہ ہی جیسے لحن کے ساتھ آپؑ نے کچھ تلخیوں کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

''ناچار و مجبور ہو کر میں نے خار چشم کو برداشت کیا، دل کی گہرائیوں میں میرا دم گھٹتا رہا اور میں نے اپنے حق سے چشم پوشی کی اور صبر کا جام تلخ پیتا رہا۔

۶۔ ستاونویں خطبہ میں اپنے بعد رونما ہونے والے ممکنہ حوادث و واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپؑ نے اسلام و ایمان اور ہجرت میں تمام مسلمانوں پر اپنی سبقت کو بیان کیا۔

۷۔ حضرت علیؑ کو جب سقیفہ کی خبر ملی تو آپؑ نے پوچھا: انصار کا کیا کہنا تھا؟

کہا گیا: ایک امام ہمارا اور ایک امام آپ (مہاجرین) کا۔

آپؑ نے فرمایا: ان کے سامنے یہ کیوں کسی نے نہیں کہا کہ ارشاد رسولؐ ہے کہ انصار کے نیک کردار افراد کے ساتھ نیکی اور ان کے گناہ گاروں سے درگزر کرو۔

لوگوں نے پوچھا، اس میں (ان کے خلاف) کیا دلیل ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر وہ امامت کے حقدار ہوتے، تو ان کے لئے ایسے الفاظ درست نہیں ہیں۔

پھر آپؑ نے پوچھا کہ قریش نے کیا کہا؟

کہا گیا: قریش اس بات کے دعوے دار تھے کہ وہ شجر نبوت ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: انہوں نے شجر نبوت ہونے کا دعوا کیا اور خلافت کے حقدار بن گئے، جبکہ ہم، اس شجر کا پھل اور خاندان رسولؐ سے ہیں ہمیں محروم کر دیا۔

۸۔ جب لوگوں نے عثمان کے ہاتوں بیعت کرنی چاہی تو آپؑ نے فرمایا:

''تم خوب جانتے ہو کہ اس خلافت کا حقدار میں ہوں، لیکن خدا کی قسم جب تک اسلام محفوظ ہے اور میرے سوا کسی اور کا حق پامال نہیں کیا جا رہا ہے میں صبر کروں گا۔ میں خود پر اس ستم کو سہہ رہا ہوں کیوں کہ اس صبر کے اجر و پاداش کا مجھے علم ہے۔ جس مال و زر کے سبب تم لوگوں نے حرص و طمع کیا ہے، میں ہرگز اپنی نگاہوں کو اس سے آلودہ نہیں کروں گا''۔

۹۔ نہج البلاغہ کے ۹۳ ویں خطبہ میں بنی امیہ اور دیگر فتنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں: ''ہم اہل بیتؑ کو اس فتنہ (بنی امیہ) سے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ ہی لوگوں کو ہم

اس کی طرف بلائیں گے۔

۱۰۔ ۹۴ ویں خطبہ میں انبیاءؑ کی فضیلت بیان کرنے کے بعد پیغمبر ختمی مرتبتؐ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کے فرزند سب سے برتر، ان کا خاندان سب سے با فضیلت اور ان کی آل سب سے بہتر ہے۔ ان کی پرورش آغوش مکہ میں ہوئی، عظمتوں کہ گہوارہ میں تربیت پائی، ان کی شاخوں اور فروعات کی حدیں آسمانوں سے ملتی ہیں، ان کے فضائل وکمالات کے ثمرہ تک کسی کو رسائی نہیں ہے''۔

۱۱۔ ۸۷ ویں خطبہ میں لوگوں کو آل رسول ص کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم کس گمراہی کی طرف جا رہے ہو؟ اور کب اس انحراف کی منزل سے واپس آؤ گے؟ (ہدایت کی) علامتیں نمایاں، دلیلیں آشکار ہیں اور نشانیاں پایدار ہیں۔ کب تک گمراہی کے راستوں پر رہو گے؟ کب تک سرکشی کا شکار رہو گے؟ آل رسول تمہارے درمیان موجود ہیں اور وہی امامت و قیادت کے حقدار ہیں۔۔۔ کتاب خدا کی طرح ان کی بھی حرمت کا لحاظ کرو اور صحرا میں چشمہ آب کی طرف لپکتے پیاسے اونٹوں کی طرح ان کی بارگاہ میں لوٹ آؤ''۔

۱۲۔ ۹۷ ویں خطبہ میں اہل بیتؑ کی پیروی کی دعوت دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

''(اے لوگوں) اپنے پیغمبرؐ کی آل کو دیکھو اور ان کی راہ کو اختیار کرو اور ایسے لوگوں کے ساتھ رہو جو ہرگز تمہیں راہ راست سے گمراہ ہونے نہیں دیں گے اور نہ ہی تمہاری ہلاکت کا سبب ہوں گے۔ اگر انہوں نے توقف کیا تو تم بھی توقف کرو اور اگر انہوں نے کسی راہ میں قدم اٹھایا تو تم بھی ان کے ہمراہ ہو جاؤ۔ نہ ان سے آگے بڑھ جاؤ کہ اس میں تمہاری گمراہی ہے اور نہ ہی ان سے پیچھے رہ جاؤ کہ اس میں تمہاری تباہی ہے''۔

۱۳۔ ۱۰۰ ویں خطبہ میں پیغمبر اکرمؐ کے جانشین اور معنوی میراث کے حقداروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آل رسولؐ کی مثال آسمان کے ستاروں کی ہے، اگر ایک ختم ہوا تو دوسرا ستارہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ گویا اللہ نے تمہیں اپنے بے کراں فضل واحسان سے نوازا ہے اور تمہاری امید اور آرزو سے زیادہ

تمہیں نوازا ہے''۔

۱۴۔ ۱۰۹ ویں خطبہ میں رسول خداؐ کے اخلاق و اوصاف کو بیان کرتے ہوئے اہل بیتؑ، ان کے دوستوں اور دشمنوں کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''ہم شجرہ نبوت، محور رسالت اور رفرشتوں کی آمد و رفت کا مرکز، معدن علم اور حکمت کے چشمے ہیں۔ ہمارے دوست اللہ کی رحمت کے حقدار اور اللہ کا قہر و غضب ہمارے دشمنوں سے مخصوص''۔

۱۵۔ ایک دوسرے مقام پر اہل بیتؑ کے مقام و منزلت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اللہ کی حکمت کے دروازے ہم اہل بیتؑ کے پاس ہیں اور دین کے چراغ کو ہم سے روشنی ملتی ہے۔۔۔۔''

حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر اہل بیتؑ کے مقام و منزلت کو واضح کیا ہے نیز یہ بھی ثابت کیا کہ خلافت و ولایت کے سب سے زیادہ حقدار اہل بیتؑ، خاص کر خود حضرت امیرؑ ہیں۔

۱۶۔ اس سلسلہ میں ایک اور مقام پر آپؑ یوں فرماتے ہیں:

'' ہدایت کا راستہ ہم سے ملتا ہے، دلوں کی تاریکیاں ہم سے دور ہوتی ہیں، (امت کے) امام و راہبر صرف قریش میں خاندان بنی ہاشم سے ہیں، دوسرا کوئی بھی اس کا حقدار نہیں ہے۔ امامت کا تاج صرف بنی ہاشم سے مخصوص ہے''۔

۱۷۔ اس سلسلہ میں ایک اور مقام پر آپؑ نے یوں فرماتے ہیں:

''ہم حامی و مددگار، خاصان اور معدن نبوت اور رسالت کے دروازے ہیں۔ ہم رسالت کا وہ باب ہیں، جن کے بغیر بیت رسالت میں کوئی داخل ہی نہیں ہوسکتا اور در کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے گھر میں داخل ہونے والا چور کہلاتا ہے۔ ہم قرآنی آیات کے مصداق اور اللہ کی رحمت کا خزانہ ہیں۔ ہمارے کلام میں صرف صداقت ہوتی ہے اور ہماری خاموشی ہرگز ہماری عاجزی کا سبب نہیں ہے''۔

۱۸۔ ایک روز آپؑ کے کسی چاہنے والے نے آپؑ سے پوچھا: کس طرح لوگوں نے آپؑ کو

آپؑ کے حق سے محروم کر دیا، جب کہ آپؑ ہی اس کے حقدار تھے؟ امامؑ نے فرمایا:

''۔۔۔انہوں نے خلافت میں خودسری کی جبکہ ہمارا نسب بھی برتر ہے اور ہم رسولؐ کے قرابت دار بھی ہیں، لیکن انہوں اس کی پرواہ نہ کی (اور ہمیں محروم کیا)۔ خلافت کے سلسلہ میں کچھ لوگوں نے بخل و کنجوسی (یعنی حقدار کو بھی حق نہ پہنچنے دیا) اور کچھ دوسروں نے سخاوت و فراغ دلی (اپنی میراث سمجھ کر لوگوں میں تقسیم کرتے ہے) سے کام لیا۔ ہمارا داور اللہ ہے اور ہمارے حق کا فیصلہ اب اسی کے دربار میں ہوگا۔۔۔''

۱۹۔ایک دن سعد ابن ابی وقاص یا ابوعبیدہ جراح نے امام علیؑ سے کہا: اے ابوطالب کے بیٹے، آپؑ کے دل میں خلافت کی لالچ بہت زیادہ ہے۔

حضرت علیؑ نے جواب میں فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ ہم سے زیادہ تو تم لوگوں کے دلوں میں اس کی لالچ ہے، جبکہ میں اس کا حقدار اور اس کا زیادہ مستحق ہوں۔ میں نے صرف اپنے حق کا مطالبہ کیا ہے اور تم لوگوں نے مجھے میرے حق سے محروم کیا۔ (پھر مولا نے ایک بند پڑھتے ہوئے کہا: اور جب مجمع عام میں، اسے مغلوب کیا، وہ خاموش رہا اور کچھ کہہ نہ سکا۔ بارالہ تیری بارگاہ میں شکوہ ہے کہ قریش اور ان کے حامیوں نے رسولؐ سے ہماری قرابت کا پاس ولحاظ نہ کیا اور میرے حق کو مجھ سے چھینا اور مجھ سے ہی مقابلہ کیا''۔

۲۰۔نہج البلاغہ کے ۱۹۰ ویں خطبہ میں لوگوں کو وعظ ونصیحت کے دوران اللہ کی معرفت رسولؐ و آل رسولؐ کے حقوق کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اپنی جگہ ثابت قدمی کے ساتھ بلاؤں میں صبر کرو۔۔۔کیونکہ جو کوئی بھی اللہ، اس کے رسولؐ و آل رسولؐ کے حق کی پاسبانی کے عالم میں اس دنیا سے جائے، تو بستر پر بھی اس کی موت شہید کی ہوگی اور بارگاہ خدا میں اس کا اجر مخصوص ہوگا۔۔۔''

۲۱۔خطبہ قاصعہ میں اپنے فضائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رسول خداؐ سے میری نسبت وقرابت، تم سب کو معلوم ہے۔۔۔میں اس طرح رسولؐ کے ساتھ رہتا تھا، جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے رہا کرتا ہے۔ وہ ہر روز اپنے اخلاق کا ایک باب

میرے لئے نمایاں کرتے اور مجھے اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ سال میں ایک بار غار حراء میں وہ خدا سے راز و نیاز کے لئے خلوت گزینی کیا کرتے تھے اور میرے سوا دوسرا کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں ہوتا تھا، اور وہ وقت کہ جب رسول خداؐ اور بی بی خدیجہ کے سوا دوسرا کوئی مسلمان نہ تھا تو میں ان کے درمیان تیسرا تھا۔ نور وحی و رسالت کو میں دیکھ رہا تھا اور بوے نبوت کو محسوس کر رہا تھا۔ رسول خداؐ پر جب پہلی بار وحی نازل ہوئی تو میں نے (کراہت سے بھری) شیطان کی چیخ کو بھی سنا ہے۔ میں نے سوال کیا: اے اللہ کے نبیؐ یہ آواز کس چیز کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: یہ شیطان کی چیخ ہے وہ لوگوں کے درمیان اپنی خدائی منوانے میں ناکام ہوگیا۔ (اے علیؑ) میں جو سن رہا ہوں وہ آپؑ بھی سن رہے ہیں میں جو دیکھ رہا ہوں وہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں، ہاں آپؑ پیغمبر تو نہیں لیکن میرے وزیر اور صراط مستقیم پر ہیں"۔

۲۲۔ ایک دوسرے خطبہ میں آل محمدؐ کے مناقب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وہ علم کو حیات دینے اور جہل کا خاتمہ کرنے والے ہیں، ان کا حلم و بردباری ان کے علم کی گہرائی کی دلیل ہے، ان کا ظاہر ان کے باطن کی خبر دے گا، ان کی خاموشی ان کی حکمت کا راز ہے۔ وہ نہ کبھی حق کے مقابل میں آتے ہیں اور نہ ہی کبھی حق میں اختلاف کرتے ہیں"۔

یہ تمام مثالیں اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر اہل بیتؑ کے مقام و منزلت کو واضح کیا ہے نیز یہ بھی ثابت کیا کہ خلافت و ولایت کے سب سے زیادہ حقدار اہل بیتؑ خاص کر خود حضرت امیرؑ ہیں۔

حضرت امیرؑ خاص کر اور بطور عموم تمام اہل بیتؑ ولایت و خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، یہ حقیقت بھی تین بنیادی اصولوں سے ثابت ہوتی ہے:

پہلی اصل: رسول خدا ص کی وصیت اور نص۔

جیسا کہ نہج البلاغہ کے دوسرے خطبہ میں صراحت و وضاحت کے ساتھ اس بات کو بیان کیا ہے:

"و فیھم الوصیہ و الوراثۃ" وصیت اور وراثت انہیں کے لئے ہے۔

دوسری اصل: حضرت علیؑ کے ذاتی صفات و کمالات۔

تیسری اصل: رسول اکرمؐ سے نسبی اور معنوی قرابت۔

گرچہ "فیھم الوصیۃ و الوراثۃ" کا مفہوم حدیث غدیر کے مفہوم سے مشابہ ہے۔لیکن صریح اور واضح طور پر خود حدیث غدیر سے نہج البلاغہ میں استدلال موجود نہیں ہے۔اسی وجہ سے بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال آیا کہ کیوں مولا نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا؟

میرے خیال میں اگر کوئی نہج البلاغہ میں سید رضی کے مقدمہ کا مطالعہ کرے تو اسے اس سوال کا جواب مل جائے گا۔اپنی بات کو مزید واضح کرنے کے لئے سید رضی کے مقدمہ کی چند مثالیں ذیل میں قابل ملاحظہ ہیں:

"کچھ احباب و رفقاء نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ایک ایسی کتاب کی تالیف کروں جس میں حضرت امیر المومنینؑ کے اقوال وکلمات کی جمع آوری ہو۔مختلف علوم وفنون پر مشتمل کلام کا ایک ایسا مجموعہ جس میں آداب ونصیحتیں،خطوط اور چھوٹے اور بڑے خطبات موجود ہوں نیز فصاحت و بلاغت کا شاہ کار و مایہ امتیاز ہو"۔احباب کی درخواست کو میں نے قبول کیا اور تالیف کا کام شروع کر دیا، کیونکہ مجھے یہ یقین تھا کہ یہ ایک سودمند اور نہایت بافائدہ کاوش ہوگی نیز محشر کے لئے ایک بہترین زاد وتوشہ ہوگا۔چنانچہ میں نے اس بات کی مکمل کوشش کی کہ یہ ثابت کردوں کہ علیؑ اس میدان میں بھی تنہا شہ سوار ہیں اور دیگر تمام لوگوں سے ممتاز و برتر ہیں۔

چنانچہ امامؑ کے گفتار وکلمات کے مطالعہ کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ آپؑ کی گفتار تین حصوں پر مشتمل ہے: احکام وخطبات،مختلف لوگوں کے لئے خطوط اور حکمت آمیز نصیحتیں۔بتوفیق خدا میں کام شروع کیا اور سب سے پہلے برگزیدہ بلاغت آمیز خطبات کی جمع آوری کری،اس کے بعد دل پذیر خطوط اور پھر آخر میں حکیمانہ کلمات کو مرتب کیا۔اور یہ اللہ کا لطف خاص تھا کہ پہلی ہی تالیف میں ایسا برگزیدہ اور چنندہ کلمات یکجا جمع ہو گئے اور پھر زمانہ گزرتا گیا اور مزید ملحقات کا اضافہ ہوتا گیا۔

البتہ یہ انتخاب وتالیف میں غفلتیں ہوسکتی ہیں لیکن کہیں بھی خطاؤں میں قصد شامل نہیں تھا نیز اگر کوئی حصہ رہ گیا ہو تو اس میں فراموشی تھی کوئی عمدا ارادہ نہیں تھا۔اور میں ہرگز یہ دعوا نہیں کرتا کہ حضرت علیؑ کے تمام کلمات واقوال کو اس کتاب میں نقل کر دیا ہے اور اب آپؑ کا کوئی قول وسخن باقی نہیں

ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہے جو اقوال اس کتاب میں نقل نہیں ہوئے ہیں، ان کی تعداد اس مجموعہ سے کہیں زیادہ ہو۔ البتہ اس خیال سے کہ اللہ راہ گشا اور منزل تک پہنچانے والا ہے میں نے اپنی تمام کوششیں کی اور تا حد امکان اپنی سعی وتلاش کی''۔

لہذا خود نہج البلاغہ کے مولف کے مطابق ان بے شمار کلمات کے باوجود بھی میں اس میں امامؑ کے تمام اقوال درج نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اس کتاب پر متعدد مستدرکات اور مکملات کی تالیف ہوچکی ہے۔ دوسری بات یہ کہ نہج البلاغہ کی تالیف حدیث کی کتابوں کے نظم ونسق پر نہیں ہوئی ہے، لہذا ہم اس کتاب سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ اس میں تمام معتبر احادیث کو چند ابواب کی شکل میں نقل کیا گیا ہو۔ بلکہ خود اس کتاب کے نام سے بھی نمایاں ہے کہ اس کتاب کو ایک خاص ادبی اور بلاغتی رجحان کے ساتھ تالیف کیا ہے، تا کہ خود مولف کے بقول یہ کتاب عربی فصاحت و بلاغت کی ایک مثال ہو۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس دور میں خلافت کے اکثر دعویداروں نے رسولؐ کی قرابت وآنحضرتؐ سے رشتہ داری کو اپنے لئے دلیل قرار دیا تھا، لہذا امام علیؑ نے بھی اسی رشتہ داری اور قرابت داری کو دلیل واستدلال کا محور بنایا۔

> نہج البلاغہ میں حدیث غدیر سے استدلال نہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے حق کے اثبات کے لئے حدیث غدیر سے استدلال ہی نہیں کیا ہے۔ بلکہ بارہا اپنے مخالفوں سے اس حدیث سے استدلال واحتجاج کیا ہے۔

حدیث غدیر سے حضرت امیر مومنینؑ کا احتجاج

ان تمام باتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ واضح اور نمایاں الفاظ میں نہج البلاغہ میں حدیث غدیر سے استدلال نہ ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے حق کے اثبات کے لئے حدیث غدیر سے استدلال ہی نہیں کیا ہے۔ جبکہ تاریخ وحدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امامؑ نے بارہا اپنے مخالفوں سے اس حدیث سے استدلال واحتجاج کیا ہے اور بسا

اوقات تو ان لوگوں کے درمیان بھی آپؑ نے اس حدیث بطور دلیل پیش کیا جو حجۃ الوداع میں وقت اعلان موجود نہیں تھے اور واقعہ غدیر کو انہوں نے نزدیک سے نہیں دیکھا اور اپنے اس عمل پر واقعہ کے دوران موجود لوگوں کو بطور گواہ بھی پیش کیا۔ ذیل میں اس سلسلہ کی چند مثالیں قابل ملاحظہ ہیں:

۱۔ ۲۳ ویں ہجری میں (حضرت عثمان کے انتخاب کے لئے) شورا میں جب جناب عمر خلیفہ کے انتخاب کے لئے چھ لوگوں کی شورا بنائی تو ابوالطفیل عامر بن واثلہ کے بقول جو وہاں دروازہ پر کھڑے یہ مناظر دیکھ رہے تھے کہ حضرت علیؑ نے ایک ایک کر کے اپنے تمام فضائل ومناقب کا وہاں موجود افراد سے اعتراف لیا، چنانچہ آپؑ کے احتجاج کی مثال یہ ہے کہ آپؑ نے وہاں موجود لوگوں سے کہا: خدا کی قسم ہے تمہیں، یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی اور ایسا ہے، جس کے بارہ میں رسول خداؐ نے فرمایا ہو کہ: "من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ، لیبلغ الشاھد الغائب"؟

وہاں موجود لوگوں نے مل کر کہا: نہیں (آپ کے سوا ایسا کوئی بھی نہیں ہے)۔

۲۔ حضرت علیؑ کو جب یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ ابھی اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ رسول خداؐ نے آپؑ کو دوسروں پر مقدم کیا اور فوقیت دی ہے تو آپؑ کوفہ میں "رحبہ" نامی ایک جگہ پر تشریف لے گئے اور جواب میں مخالفوں کو قسم دلائی اور کہا کہ تم میں سے جس نے بھی غدیر خم میں رسولؐ کی حدیث سنی ہے وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو جائے۔ یہ سن کر بروایتے اس مجمع سے بارہ (۱۲) تیرہ (۱۳) تیس (۳۰)، دس (۱۰) اور بروایتے دیگر سترہ (۱۷) صحابہ نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ یہ ارشاد رسولؐ ہے۔

۳۔ حاکم نیشاپوری رفاعہ بن ایاس ضبی، اس کے والد، اس کے جد (نذیر جو بزرگ تابعین میں سے تھے) روایت کی ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی ع کے ساتھ۔ امام علی ع نے طلحہ کو پیغام بھیج کر بلوایا۔ جب طلحہ امام ع کی خدمت میں آئے تو امام ع نے کہا: تمہیں خدا کی قسم ہے بتاؤ کیا تمنے رسول خداص سے نہیں سنا ہے: "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ"؟

طلحہ نے کہا: ہاں بالکل میں نے سنا ہے۔

امامؑ بولے: پھر کیوں مجھ سے جنگ کر رہے ہو؟

طلحہ کہتے ہیں: میں بھول گیا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ اس گفتگو کے بعد طلحہ جنگ سے منصرف ہو گئے تھے۔

۴۔ اسی طرح ۳۷ ویں ہجری میں جنگ صفین کے میدان میں حضرت علیؑ منبر پر گئے اور لوگوں کو خدا دے کر اپنے بے بدیل و بے مثل فضائل و مناقب منجملہ حدیث غدیر کا اعتراف لیا۔

اسی طرح شیخ طوسی امام علی رضاؑ سے روایت کرتے ہیں: امام رضاؑ اپنے کچھ خواص کے درمیان حدیث غدیر کی فضیلت بیان فرما رہے تھے۔ آپؑ نے اپنے اجدادؑ سے روایت کی حضرت علیؑ کی زندگی میں ایک سال عید غدیر جمعہ کے دن پڑی، حضرت علیؑ نے دن چڑھنے کے بعد منبر پر جا کر اللہ کی حمد و ثنا کی اور پھر وہاں موجود لوگوں کو ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے اور ایک دوسرے کو تبریک و تہنیت دینے کو کہا۔

ان دن کی فضیلت کو حاضرین غائبین پہنچا دیں۔ آج کے دن مالدار تنگدستوں اور طاقتور، کمزوری کی دستگیری کریں۔ رسول خداؐ نے مجھے ان کاموں کی ہدایت دی ہے۔ پھر آپؑ نے خطبہ جمعہ دیا اور نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے چاہنے والوں اور بیٹوں کے ساتھ امام حسنؑ کے بیت الشرف پر طعام و ضیافت کے لئے تشریف لے گئے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہج البلاغہ میں حدیث غدیر سے صریح اور واضح استدلال کا نہ ہونا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ حضرت علیؑ نے (اپنی زندگی میں) اس حدیث سے استدلال و احتجاج نہیں کیا ہے، یا پھر سید شریف رضی کو اس کے اعتبار و صداقت پر شک و تردد تھا۔ چنانچہ اس کتاب میں اس حدیث کا نہ ہونا اس کے تواتر اور قطعی الصدور ہونے میں کوئی شبہہ اور رخنہ اندازی نہیں کرتا، کیونکہ یہ حدیث صرف شیعہ مآخذ ہی میں نہیں بلکہ متفق علیہ کتب حدیث، رجال اور اہل سنت کی کتب تاریخ میں بھی منقول ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ (اہل سنت نے) لفظ ''مولیٰ'' سے جو مفہوم حاصل کیا ہے وہ شیعوں کی تعریف سے مختلف ہے۔

★★★★★